اسلام کا فلسفۂ اخلاق

مولانا محمد فاروق خان - ایم - اے - انڈیا

(۲)

اِس میں شبہ نہیں کہ مادّی تصورِ حیات انیسویں صدی عیسوی میں یورپ میں اپنے شباب پر تھا۔ لیکن بیسویں صدی میں خود یورپ کے کتنے ہی مفکروں اور سائنسدانوں کو نئے انکشافات اور تحقیقات کے بعد اپنے نظریہ میں تبدیلی کرنی پڑی ہے۔ جے۔ ایس۔ ہالڈنے (J.S. HALDANE) نے لکھا کہ زندگی کے مسئلہ کو طبیعاتی اور کیمیاوی مسئلہ سمجھنا غلط ہے۔ زندگی اور انسان کی ذات (PERSONALITY) کا وجود اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات کی محض مادی تعبیر ممکن نہیں[1]

سائنس نے اب ہمیں ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے جہاں بڑے بڑے سائنسدان یہ تسلیم کرنے لگے ہیں کہ کائنات میں جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ شے (THING) سرے سے ہے ہی نہیں، بلکہ صرف عمل (ACTION) ہے یا وقوعات (EVENTS) کی عبارت ہے[2]۔ اس سے اس بات کو مزید تقویت پہنچتی ہے کہ یہ کائنات اندھے بہرے مادہ کی تخلیق نہیں، بلکہ اس کا منبعٔ وجود کوئی ذہن و ارادہ ہے۔ دوسرے الفاظ میں کائنات خلقِ رب کا مظہر ہے۔ انسان کا

---

[1] PROF-J-S-HALDANE IN THE PHILOSOPHICAL BASIS OF BIOLOGY

[2] QUATED BY IQBAL IN HIS LECTURES

فرض ہے کہ وہ اپنے ارادہ اختیار کی دنیا میں اپنے رب کی اطاعت کرے۔

قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ (ھود-۵۶)

"بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے"۔

مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی کام عدل، حکمت اور حق کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس نے حق اور خیر کے تحت کائنات کی تخلیق کی ہے۔ ہمارے ارادہ واختیار سے بھی جو چیز مطلوب ہے وہ حق وصداقت کے سوا کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ انسان کی فلاح اور اس کی کامیابی کا اصل انحصار اس کے ظاہر اور باطن کی درستی پر ہے۔ ظاہر و باطن کو خَلق و خُلق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہتے ہیں: فلانٌ حسن الخُلق والخَلق "فلاں کا باطن بھی اچھا ہے اور ظاہر بھی"۔ ظاہر کو اگر ہم آنکھ سے دیکھتے ہیں تو باطن یا رُوح کا ادراک بصیرت کے ذریعے ہوتا ہے۔ ظاہر ہو یا باطن ہر ایک اپنی ایک مخصوص ہیئت وصوت پر قائم ہوتا ہے۔ یہ صوت و ہیئت اچھی بھی ہو سکتی ہے اور بُری بھی۔ خلق بالنفس کی ہیئتِ راسخہ ہی ہے جس سے اعمال وافعال کا صدور ہوتا ہے۔ اگر ہم سے اچھے اعمال صادر ہوتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمارا باطن بہتر ہے۔ اسی کو خُلقِ حسن سے تعبیر کرتے ہیں۔ آدمی کے رجحانات، مزاج اور ذوق سے اس کی باطنی صورت وہیئت کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ کسی کے ذوق اور رجحان کو اس کے اخلاق وکردار سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ رسکن (RASKIN) نے غلط نہیں کہا ہے کہ ذوقِ حقیقت میں اخلاق کا کوئی جزو یا حصہ نہیں، بلکہ ذوق ہی اصل اخلاق ہے۔ کسی کو جانچنے کے لیے پہلا اور آخری سوال جو اس سے کر سکتے ہیں وہ یہی کہ اُسے کیا پسند ہے؟ آدمی کی پسند اور ناپسند اس کی غمازہ ہوتی ہے کہ خود وہ آدمی کیا ہے۔

اخلاقیات کے مطالعہ میں حق، حسن اور خیر (TRUTH BEAUTY AND GOODNESS) کو بنیادی اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کا تعلق اصل میں ہمارے علم واحساس اور عمل سے ہے۔ اگر آدمی حق وصداقت کے دریافت کرنے میں ناکام رہا تو حقیقت میں وہ صحیح علم (TRUE KNOWLEDGE) سے محروم رہا۔ اُس کی زندگی اگر ایک جمالیاتی تجربہ

میں ڈھل نہ سکی تو اس کی احساسی (FEELING) دُنیا ویران ہی رہی - اسی طرح اگر وہ "خیر" کو سمجھنے میں کامیابی حاصل نہ کر سکا تو عملی لحاظ سے وہ یکسر خاسر قرار پائے گا۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ جاننا چاہتا ہے کہ حق و صداقت (REALITY) کیا ہے؟ وہ ان چیزوں کو اہمیت دیتا ہے جو حسن و خوبی کی حامل ہوں - اسی طرح وہ اس عمل کو اختیار کرنا چاہتا ہے جس میں خیر کا پہلو شامل ہو۔ عام مطالعہ میں صرف انسانی اعمال کا مطالعہ ہی اخلاقیات کے تحت کیا جاتا ہے۔ حق و صداقت کے حصول کو فلسفہ کا موضوع قرار دیا گیا ہے اور حُسنِ اخلاق کو جمالیات کا موضوع سمجھا جاتا ہے ، لیکن زندگی کی ان تینوں قدروں میں اتنا گہرا تعلق ہے کہ ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا - مثال کے طور پر نیک عمل کو علم سے الگ نہیں کر سکتے - جو عمل صحیح علم کے مطابق نہ ہو وہ ضلالت ہے - سقراط نے کہا ہے:

VIRTUE IS A KIND OF KNOWLEDGE

"نیکی علم ہی کی ایک قسم ہے۔"

سقراط کی مراد یہ ہے کہ اخلاقی فرائض کے نتائج اگر ہم پر پورے طور پر واضح ہوں تو لازماً ہم اُن سے بے اعتنائی اختیار نہیں کر سکتے - غلط طرزِ عمل خود اپنے خلاف ایک سعیِ نامشکور ہے - اپنے خلاف کوئی اقدام کر کے کوئی اپنے تحفظ کا فریضہ کیونکر انجام دے سکتا ہے -

اخلاقیات سے جمالیات کو بھی الگ نہیں کر سکتے - ارسطو کے نظریہ کی رُو سے اخلاقی زندگی خود اس کے اپنے جمالیاتی اوصاف کی بنا پر قابلِ قبول ہوتی ہے -

ONLY BEAUTY IS GOOD

"حسن و جمال کی حامل شے ہی خیر ہے۔"

حُسن و جمال کا تعلق محض جسم ہی سے نہیں ہے - اخلاقی لحاظ سے بھی بعض چیزیں جمالیاتی (MORALLY EXCELLENT) ہوتی ہیں - کانٹ (KANT) کے الفاظ میں وہ ہیرے کی طرح خود اپنی روشنی سے چمک رہی ہوتی ہیں - وہ اس شے کی طرح ہوتی ہیں جس کی قدر و قیمت خود اس کے اپنے وجود سے قائم ہوتی ہے -

خوشی (PLEASURE) کا بھی اخلاق سے گہرا رشتہ ہوتا ہے۔ صحیح اخلاقی طرزِ عمل سے سچی شادمانی حاصل ہوتی ہے۔ یہ شادمانی محض رُوحانی نہیں ہوتی، بلکہ ذہنی، قلبی اور جمالیاتی بھی ہوتی ہے۔ اس لیے کہا گیا ہے:

VIRTUE IS ITS OWN REWARD AND VICE IS ITS OWN PUNISHMENT.

"نیکی بذاتِ خود اپنی جزا اور بدی بذاتِ خود اپنی سزا ہوتی ہے"۔

اخلاق ہی کے ذریعے سے آدمی کی تکمیل ممکن ہوتی ہے۔ کمال کا حصول اخلاق کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ اور اس طرح کے جن خیالات کا اظہار مفکر شخصیتوں نے کیا ہے ان کے ذریعے سے درحقیقت زندگی ہی کے مختلف پہلوؤں اور قدروں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اخلاق کے ذریعہ سے زندگی کی تشکیل ہوتی ہے۔ اخلاق زندگی کو ایک فورم (FORM) دیتا ہے۔ اخلاقی قدروں کا لحاظ زندگی کے تمام گوشوں میں مطلوب ہے۔

اخلاقیات میں فلاسفروں نے اپنا اوّلین فرض یہ سمجھا ہے کہ وہ زندگی کا حقیقی منتہا و مقصود دریافت کریں۔ افلاطون ارسطو سے لے کر اسپونزا (SPINONA)، کانٹ، ہیگل اور گرین (GREEN) تک سبھی نے یہ فرض انجام دینے کی کوشش کی ہے۔ منتہا و مقصود کی تعیین کے بعد انسان کی ذمہ داری خود بخود متعین ہو جاتی ہے اور اُس کا وجوب اپنے آپ ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی منتہا و مقصود کے پس منظر میں انسان کی پوری زندگی اپنا ایک فورم اور شکل اختیار کر لیتی ہے۔ مفکروں کو اُن کی کاوش نے اس مقام تک پہنچا دیا ہے کہ وہ یہ ماننے پر مجبور ہوئے ہیں کہ زندگی کے مقصود و منتہا (ULTIMATE END) کا انسان کی موجودہ حیات سے اتنا قریبی رشتہ ہے کہ موجودہ حیات و وجود کو اس سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ زندگی اسی میں داخل و شامل ہے۔ اخلاق کے فلاسفروں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس حقیقت کو اس حد تک واضح اور لوگوں کی نگاہوں میں اسے اس درجہ عریاں کر دیں کہ عام انسانی شعور اُسے اپنی گرفت میں لے سکے۔

جہاں تک ضابطہ یا قانون کا مسئلہ ہے تو اس کے بارے میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ

اخلاق و کردار جب بلند ہو جاتا ہے تو اخلاقی قوانین اور اُصول انسان کے لیے اجنبی نہیں رہتے، بلکہ وہ اس کے اپنے ہی شعور و احساس کی مرئی صورت ثابت ہوتے ہیں۔ آدمی جس چیز کو اپنے دل کی گہرائی میں پا رہا ہو اس کے اختیار کرنے کے لیے کسی خارجی قانون اور ضابطہ کے دباؤ کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ ایسے قانون اور اُصولوں کی پاسداری کا مطالبہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ آدمی خود اپنے تئیں خیانت نہ کرے۔ وہ خود اپنے لیے سچا ہو:

TO THINE YOURSELF BE TRUE

"تم اپنے تئیں سچے بنو"

اخلاقی اُصولوں کی خلاف ورزی خود اپنی مخالفت ہے۔

انسانی معاشرہ سے انسان کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ وہ اپنے سماج کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ مختلف نفوس و افراد سے مل کر سماج کی تشکیل ہوتی ہے۔ مثالی شخصیت کا کامل اظہار معاشرہ کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ اس لیے سماجی ذمہ داریوں کو انسانی اخلاق سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اخلاق کا اعلیٰ اور کامل تصور وہی ہے جس میں فرد کی بہبود اور اجتماعی لحاظ سے نوعِ انسانی کی فلاح کا راز پوشیدہ ہو، جس سے مشکلیں آسان ہوتی ہوں۔ اُلجھے ہوئے مسائل کا خاتمہ ہوتا ہو، اور ہمارے دل و دماغ کو سکون و راحت حاصل ہوتی ہو اور جس کے ذریعے سے دُنیا ظلم و فساد سے پاک ہو سکتی ہو۔ برفو (BRIFFAUTT) کا ذہن اس طرف گیا ہے۔ وہ کہتا ہے:

"مثالی اخلاقیات کی کیسی ہی عظیم الشان عمارت آپ تعمیر کریں۔ اگر باطل کو مٹا کر اس کی جگہ حق کو قائم کرنے سے قاصر ہے تو وہ بے معنی چیز ہے۔ اس اُوپری عمارت کو اخلاقیات کی عمارت نہیں کہا جا سکتا"۔[1]

اخلاق کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کے تذکرہ کے بعد یہ سوال باقی رہتا ہے کہ انسان اخلاقی نظام فکر و عمل کے لیے ایسے واضح ضوابط اور قوانین کہاں سے اخذ کرے جو

---

[1] THE MAKING OF HUMANITY

سب کے لیے واجب الاطاعت ہوں، جس کے صحیح اور اعلیٰ نظامِ اخلاق ہونے میں کسی کو شبہ نہ ہو سکے؟ انسانی علوم میں باضابطگی واضح ضابطہ کے بغیر ممکن نہیں اور نہ اس کے بغیر انسانی فکر کو انتشار و تلون سے بچایا جا سکتا ہے۔

اس سوال کا صحیح جواب صرف مذہب کے پاس ہے۔ انسانی فکر کے سامنے اخلاق کے فطری تقاضے تو اُبھر سکتے ہیں، لیکن مذہب کے تعاون کے بغیر مکمل اور قابلِ اعتماد ضابطۂ اخلاق ترتیب دینے سے وہ یکسر قاصر ہے۔ مذہب کے علاوہ دوسرے ذرائع خواہ وہ نفسیات و وجدان ہو یا تجربات و احساسات اصل ماخذ کے صرف مددگار ہو سکتے ہیں۔ اصل ماخذ کی حیثیت ان کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ محض جزوی صداقتوں کے علم سے ایک اعلیٰ اور محکم اخلاق کی تشکیل کیوں کر ممکن ہو سکتی ہے۔ ایک قطعی اور واجب الاطاعت قانون کی ضرورت کا احساس تو کانٹ کو بھی ہوا ہے، لیکن وہ اس کی کوئی واضح تشریح کرنے میں ناکام نظر آتا ہے۔

اخلاق کے سلسلے میں خیر و شر کے صحیح تصور کا سوال سامنے آتا ہے، لیکن اس کے حل کرنے میں ہمارا تجرباتی اور وجدانی علم ناکافی ثابت ہوتا ہے۔ عقل اس معاملہ میں دُور تک ہمارا ساتھ نہیں دیتی۔ اخلاق کی پشت بان قوت اور داعیات و محرکات کے بارے میں انسانی فکر نے جو چیزیں تجویز کی ہیں، ان کی نفی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن مذہب کی رہنمائی نہ ہو تو ان چیزوں کی حیثیت واضح نہیں ہوتی اور نہ انھیں کوئی محکم بنیاد میسر آتی ہے۔

(باقی)